اسلام میں قاضی کے منصب کیلئے مطلوب شروط (۱)

سید نظیر الحسن گیلانی ☆

اسلامی شریعت میں قاضی کی شخصیت کو غیر معمولی اہمیت اور حیثیت حاصل ہے۔ اس لیئے کوئی بھی اس منصب کے حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں مخصوص شروط نہ پائی جائیں۔ ان شروط میں سے بعض ایسی ہیں جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض ایسی ہیں جو مخصوص حالات میں فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور بعض شروط میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے۔

قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے مطلوبہ شروط اجمالا درج ذیل ہیں۔

اسلام، بلوغ، عقل، حریت، مرد ہونا، عادل ہونا، اجتہاد کی صلاحیت رکھنا، آنکھوں اور کانوں کا سلامت ہونا، بولنے کی صلاحیت رکھنا وغیرہ۔

مذکورہ شروط اور ان کے بارے میں فقہاء اسلام کے مختلف مذاہب کی تفصیل درج ذیل گذارش ہے۔

شرط اول: اسلام۔

فقہاء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے (۲) کہ مسلمانوں کے درمیان قضاء کے منصب پر تقرری کے لیئے قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء اسلام نے اس شرط کے وجوب کے لیئے جو دلائل پیش کیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل، مظفر آباد، آزاد کشمیر

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

۱۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے (ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا) (۳) چونکہ علماء اسلام کے نزدیک قضاء سے بڑی اور کوئی سبیل نہیں ہو سکتی، اس لیئے آیت کریمہ کی روشنی میں کسی غیر مسلم کی مسلمانوں پر ولایت و حکمرانی جائز نہیں ہوگی۔ اسلیئے کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر قاضی مقرر نہیں کیا جاسکے گا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ اسلام کو فوقیت حاصل ہے اور اس پر کسی کو بالادستی حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی فوقیت اور بالا دستی کا فرماتے ہوئے مذہب اسلام پر کسی دوسرے مذہب کی بالادستی سے منع فرمایا ہے، چونکہ قضاء کا منصب ایک ایسا منصب ہے جس پر فائز شخص کو دوسروں پر بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اسلیئے کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر قاضی مقرر کرنا اس کی بالادستی کو تسلیم کرنا ہوگا جو شرعاً جائز نہیں۔

۳۔ مسلمانوں میں سے فاسق جو منجملہ اسلامی شریعت کا پابند ہوتا ہے، اگرچہ کافر کی بنسبت بدرجہا بہتر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود کسی فاسق کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں۔ (۵) چنانچہ اگر مسلمانوں میں شمار ہونے والا ایک فاسق شخص اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتا تو کافر، جو کہ سرے سے اسلام کا ہی منکر ہے، قاضی کا منصب کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ (۶)

۴۔ اسلام میں شہادت کی ادائیگی کے لیئے گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہے اور قضاء کا منصب شہادت سے زیادہ معتبر اور خطرناک ہے۔ چنانچہ اگر اسلام میں گواہی دینے والے کے لیئے مسلمان ہونا شرط ہے تو قاضی کے لیے مسلمان ہونا بہرصورت شرط ہوگا۔ (۷)

۵۔ اسلام میں قضاء کا مقصد احکام شریعت کی روشنی میں لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ اور تنازعات کا تصفیہ کرکے حقدار کو اس کا حق دلانا اور مظلوم کی داد رسی کرنا ہے۔ جب کہ کافر خداوند تعالی کے احکام کا منکر اور اسلامی شریعت کے احکام سے جاہل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام سے جاہل اور خدا تعالی کے قانون کے منکر ایک شخص کو مسلمانوں پر قضاء کا منصب سونپا جائے۔ (۸)

اس امر پر اتفاق کے بعد کہ مسلمانوں پر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا، فقہاء اسلام کا اس امر پر اختلاف ہے کہ آیا کوئی غیر مسلم شخص اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے یا کہ نہیں ۔ فقہاء اسلام کے اس ضمن میں دو مختلف مذہب ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مذہب اول

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ایک غیر مسلم شخص کا اسلامی ریاست کے اندر بسنے والے غیر مسلموں پر بھی بحیثیت قاضی تقرر نہیں کیا جا سکتا۔ (۹) فقہاء جمہور اپنے اس مذہب کی تائید میں قرآن کریم، سنت رسولؐ اور معقول سے استدلال پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم سے استدلال:۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے (حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وّ ھم صاغرون (۱۰) چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست کے اندر بسنے والے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے اور ان کے اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کم تر حیثیت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی غیر مسلم کو قاضی مقرر کیا جائے تو اس کے منصب کا تقاضا ہوگا کہ ایسے شخص کا حکم قابل اطاعت اور فیصلہ قابل تسلیم ہو۔ جب کہ یہ بات قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی رو سے جائز نہیں اس لیئے کسی غیر مسلم کا اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں پر بھی قاضی مقرر کیا جانا جائز نہیں ہو سکتا۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا "اسلام یعلو ولا یعلی" چنانچہ مذکورہ حدیث میں حضور نبی کریمؐ نے اسلام اور مسلمانوں ہی کے لیئے بالادستی کو مختص فرمایا ہے۔ اگر قاضی کا منصب کسی غیر مسلم کو سونپا گیا تو یہ امر اسلامی ریاست کے اندر اس کی بالادستی کا سبب ہوگا۔ اور حدیث رسول کی روشنی میں کسی غیر مسلم کو مسلمانوں پر بالادستی حاصل نہیں ہو سکتی خواہ اسے یہ بالادستی اپنے ہم جنس غیر مسلموں پر ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

معقول سے استدلال:۔

اسلامی ریاست میں قضاۃ کے تقرر کا مقصد خدا تعالی کے نازل شدہ احکامات کی روشنی میں لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا، تنازعات کو ختم کرنا، مظلوم کی داد رسی کرنا اور حقدار کو اس کا حق دلانا ہے، جب کہ ایک غیر مسلم شریعت اسلام کے احکامات کا منکر اور شرعی احکامات سے جاہل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ خداوند ذوالجلال کے نافذ شدہ قانون اور شریعت اسلامی کی رو سے لوگوں کے درمیان فیصلے کر سکے۔

مذہب ثانی۔

فقہاء احناف کے نزدیک کسی غیر مسلم کو اسلامی ریاست کے اندر بسنے والے غیر مسلموں پر قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔ (۱۱) فقہاء احناف اپنے اس مذہب کی تائید میں قرآن کریم، معقول اور عرف جاری سے استدلال پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قرآن کریم سے استدلال:۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے (لا تتخذوا الیہود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض) (۱۲) چنانچہ اس آیت کریمہ میں خداوند ذوالجلال نے مسلمانوں کو یہود و نصاری کے ساتھ دوستی رکھنے سے اور انہیں اپنا ولی بنانے سے منع فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔ اسلئے اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو اس کے ہم جنس غیر مسلموں پر قاضی مقرر کرنا جائز اور درست ہوگا۔

معقول سے استدلال:۔

غیر مسلم آپس میں عدول ہیں۔ اسی لیئے غیر مسلموں کی ایک دوسرے پر شہادت قبول کی جاتی ہے اور اس گواہی کی رو سے فیصلہ بھی درست ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر غیر مسلموں کی ایک دوسرے کے لیئے شہادت قبول کرنا جائز ہے تو انہیں ایک دوسرے پر قاضی مقرر کرنا بھی درست اور جائز ہوگا، اسلیئے کہ جو شخص شہادت کی اہلیت رکھتا ہے وہ قضا کا بھی اہل ہوتا ہے۔ (۱۳)

عرف جاری سے استدلال۔

اسلامی ریاست کے اندر بسنے والے غیر مسلموں پر انہی میں سے حاکم مقرر کرنے کا طریقہ

کار ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور اس عرف جاری کی رو سے غیر مسلم شہریوں پر انہی میں سے حاکم مقرر کرنا درست اور جائز ہو گا۔

مذہب مختار:۔

میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں پر ان کے ہم جنس غیر مسلم کو قاضی مقرر کرنے کے جواز کے بارے میں فقہاء احناف کا مذہب ہی قابل ترجیح ہے۔ اسلیئے کہ غیر مسلم اگر مسلمانوں کے لیئے عدول نہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیئے تو عدول ہیں۔ ایک دوسرے پر ان کی گواہی جائز اور درست ہے۔ اسی طرح وہ آپس کے معاملات کو طے کرنے کے لیئے قضاء کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور ایک غیر مسلم شخص اس بات کا اہل ہے کہ اپنے ہم جنس غیر مسلموں پر قاضی مقرر ہو۔ جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ غیر مسلم اسلامی شریعت کے احکامات سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیئے ان سے خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تو یہ استدلال بھی درست نہیں، اسلیئے کہ شریعت اسلام کے احکامات واضح ہیں اور قاضی کے منصب پر مقرر ہونے والے غیر مسلم کیلیئے اسلامی شریعت کے ان احکامات کا علم حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں جو اس کی عدالت میں پیش ہونے والے معاملات سے متعلق ہوں۔

شرط ثانی: بلوغ۔

فقہاء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے بالغ ہونا شرط ہے (۱۴) اور کوئی بھی نابالغ قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء اس شرط کے وجوب کے لیئے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم نے فرمایا "تین اشخاص کسی قسم کے مواخذہ سے بری الذمہ ہیں ‥ سویا ہوا شخص، جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے، پاگل، جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے اور بچہ، جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے۔ (۱۵) چنانچہ اس حدیث میں حضور نبی کریمؐ نے نابالغ کو شرعی تکالیف اور ذمہ داریوں کے مواخذہ سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نابالغ شخص کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ قضاء کا منصب ایک غیر

معمولی اہمیت کی حامل ذمہ داری کا منصب ہے' اسلیئے کوئی بھی نابالغ شخص اس منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں نابالغوں کی حکمرانی سے خداوند ذوالجلال کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ (۱۶) اور چونکہ پناہ صرف اس چیز سے مانگی جاتی ہے جو بری ہو' اس لیئے نابالغوں کی حکمرانی سے پناہ مانگنے کا حکم اس امر کی دلیل ہے کہ نابالغ کی حکمرانی جائز نہیں اور اسے قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ نابالغ شخص کی گواہی قابل قبول نہیں اور اس کی بنیاد پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر نابالغ شخص گواہ بننے کا اہل نہیں تو قضاء کا منصب سنبھالنے کا تو قطعی اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے قضاء کا منصب شہادت سے بدرجہا اہم اور خطرناک ہے۔ (۱۷)

۴۔ نابالغ شخص اپنے ذاتی امور میں سے بھی کسی امر میں تصرف کے اختیارات نہیں رکھتا اور اگر وہ اپنے ذاتی امور میں تصرف نہیں کر سکتا تو دوسروں کے معاملات میں اسے تصرف کرنے کے اختیارات کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ماوردی (۱۸) فرماتے ہیں "نابالغ تکالیف شرعیہ میں قابل مواخذہ نہیں اور نہ ہی اس کے کسی قول کی بناء پر اس کی اپنی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے اور اگر اس کے کسی قول کی بناء پر اس کی اپنی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تو یہ لازم ہے کہ اس کے قول کی بناء پر کسی دوسرے کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہ کیا جائے (۱۹)

شرط ثالث: عقل۔

فقہاء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے عقل شرط ہے۔ (۲۰) چنانچہ کسی غیرعاقل یا پاگل و مجنون کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء اسلام قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے مطلوب شخص میں عقل کی شرط پائے جانے کے لیئے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین اشخاص شرعاً مواخذہ سے بری الذمہ ہیں' سویا ہوا' جب تک کہ وہ نیند سے بیدار نہ ہو جائے' مجنون' جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے۔ اور بچہ جب تک کہ وہ بڑا

(بالغ) نہ ہو جائے۔

۲۔ ایک مجنون شخص اپنی ذات کے بارے میں بھی کسی امر پر تصرف کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر وہ اپنی ذات کے بارے میں کسی امر پر تصرف کا اختیار نہیں رکھتا تو دوسروں کے معاملات میں تصرف کس طرح کر سکتا ہے؟

۳۔ شریعت اسلام نے جو عبادات بھی فرض کی ہیں اور جو معاملات بھی مسلمانوں کے لیئے جائز قرار دیئے ہیں ان سب کے لیئے عقل شرط ہے۔ قضاء ایک ایسا منصب ہے جو اسلامی ریاست میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس خطرناک منصب کے لیئے وہی شخص اہلیت رکھ سکتا ہے جس کی عقل میں کوئی فتور نہ ہو بلکہ قاضی کا منصب تو اس امر کا متقاضی ہے کہ اس منصب پر مقرر ہونے والا شخص عقل کامل سے بہرہ ور ہو' صحیح و غلط میں تمیز کر سکتا ہو۔ اس میں فہم و ادراک کی تمام صلاحیتیں موجود ہوں' بھول اور غفلت و نسیان کا مریض نہ ہو اور اپنی عقل کے استعمال سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی گھتیاں سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

اگر کوئی شخص مستقل طور پر مجنون نہ ہو مگر کبھی کبھی اس پر جنون کا دورہ پڑتا ہو تو ایسی صورت میں اس کے جنون کی مدت کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اگر اس کے جنون کی مدت زیادہ ہو اور اس کا یہ مرض اس کے فرائض منصبی ادا کرنے میں مخل ہوتا ہو تو ایسے شخص کو قطعاً قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر اس پر دورہ پڑنے کا وقت مختصر ہو تو ایسی صورت میں اس کے مرض کی نوعیت کو دیکھا جائیگا۔ چنانچہ اگر جنون کا دورہ پڑنے کے بعد اپنی اصل حالت میں لوٹ کر بھی اس کی عقل جنون کے حملہ سے متاثر معلوم ہو اور اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا نظر آتا ہو تو ایسے شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکے گا۔ لیکن اگر وہ جنون کا دورہ پڑنے کے مختصر وقت کے بعد بالکل تندرست ہو جاتا ہو اور اس کی عقل پر اس مرض کا کوئی اثر نظر نہ آتا ہو تو مذکورہ صورت کے حامل شخص کے قاضی کے منصب پر تقرری کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں۔

۱۔ مذکورہ صورت میں اس شخص کو قاضی مقرر کرنا درست ہے اور جس وقت قلیل میں اس شخص پر جنون کا دورہ پڑتا ہے اسوقت کو اس شخص کی نیند اور آرام کے اوقات میں شمار

کیا جائے گا۔

۲۔ مذکورہ صورت میں بھی ایسے شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکے گا' اسلئے کہ جنون کے مرض میں مبتلا ہو کر وہ شرعاً مکلف نہیں رہتا اور اس صورت میں اس کی فرض عبادات کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ (۲۱)

جنون کے مرض میں مبتلا مذکورہ صورت کے حامل شخص کے بارے میں اوپر معقول اقوال میں سے میرے نزدیک دوسرا قول قابل ترجیح ہے اور یہی شریعت کی منشاء سے قریب تر ہے۔ چنانچہ کسی بھی ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا درست نہیں ہوگا جو جنون کے مرض میں مبتلاء ہو خواہ اس کا جنون کے مرض میں مبتلا ہونے کا وقت کتنا ہی مختصر اور قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

شرط رابع: حریت (غلام نہ ہونا)

قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے اس شرط کے وجوب کے بارے میں فقہاء اسلام کے دو اقوال ہیں' جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔

قول اول:

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ایک شخص کے قضا کے منصب پر تقرری کے لیئے اسکا آزاد ہونا بھی شرط ہے۔ (۲۲) چنانچہ کسی غلام کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

فقہاء جمہور کا یہ استدلال ہے کہ قضاء ولایت کی ایک قسم ہے جب کہ غلام اپنے آپ پر بھی مکمل ولایت نہیں رکھتا' اسلیئے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت کے لیئے محبوس ہوتا ہے اور نہ تو اپنی ذات کے معاملے میں کسی تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی اپنے اوقات کے استعمال کی اسے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے ذاتی معاملات کے بارے میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں رکھتا وہ دوسروں کے بارے میں تصرف کا اہل نہیں ہو سکتا اور پھر شہادت کے ضمن میں گواہی کے قبول ہونے کے لیئے گواہ کا آزاد ہونا شرط اور غلام کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں ہوتی اور غلام شہادت کا اہل نہیں تو قضا کے منصب کا اہل کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب کہ قضاء کا منصب شہادت کی ادائیگی کی بنسبت زیادہ اہم اور خطرناک ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں' غلام خواہ مدبر (۲۳) ہو یا مکاتب (۲۴) اور کوئی بھی ایسا شخص جس میں غلامی کا کوئی ادنی جز تک بھی

موجود ہو، قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی ایسے شخص کو قضاء کا منصب سونپا گیا تو اس کی یہ ولایت باطل اور اس کا ہر حکم مردود ہو گا اسلیئے کہ خود غلام اپنے مالک کی ولایت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسروں پر اسے ولایت سپرد کرنا درست نہیں ہو سکتا اور شریعت میں جب اس کی شہادت قابل قبول نہیں تو اسے قضاء کے لیئے بھی مقرر کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ (۲۵)

بعض فقہاء تو اس ضمن میں بہت ہی زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک غلام شخص آزاد ہونے کے بعد بھی قضاء کے منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے کہ عین ممکن ہے کہ وہ ابھی تک پوری طرح آزاد نہ ہو چکا ہو اور پھر یہ بات ثابت ہونے پر اس کے سارے فیصلے ہی باطل ہو جائیں اور اس سے لوگوں کے حقوق متاثر ہوں۔ (۲۶)

قول ثانی:

قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے کسی شخص کا آزاد ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ کسی غلام کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء سلف میں سے بعض بلند پایہ فقہاء، جن میں قاضی شریح (۲۷) و ابن سیرین (۲۸) اور ابن حزم (۲۹) الاندلسی، شامل ہیں کا یہی قول ہے اور بعض حنابلہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے غلام کے قضاء کے منصب پر تقرری کے لیئے اس کے آقا کی اس میں اجازت اور رضامندی سے اس کو مشروط کرتے ہیں۔ (۳۰)

فقہاء کا یہ گروہ اپنے اس قول کی تائید میں قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال پیش کرتا ہے، جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

قرآن کریم سے استدلال:

قرآن کریم میں خدا تعالی کا ارشاد ہے (ان اللہ یا مرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل) (۳۱) چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے عدل کرنے کے ساتھ فیصلہ کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف آزاد اشخاص کے لیئے مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے اور اس میں آزاد و غلام دونوں شامل ہیں اور اس حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہیں، اسلیئے مذکورہ آیت کی رو سے جسطرح ایک آزاد شخص قضاء کا منصب سنبھال سکتا ہے اسی طرح ایک غلام بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے اور قرآن کریم میں ایسی کوئی نص نہیں جو غلام کو اس حکم سے مستثنیٰ کرتی ہو۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال:-

۱۔ حضرت عقبہ بن الحارث (۳۲) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک حبشی لونڈی نے آکر مجھے آگاہ کیا کہ اس نے ہم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ چنانچہ میں نے حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کی کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے اور فلاں عورت نے مجھے آگاہ کیا کہ اس عورت نے ہم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے۔ نبی کریمؐ نے یہ بات سن کر اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ میں نے آپ کے چہرہ مبارک کے رخ سے ہو کر دوبارہ یہ گذارش کی کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے تو آپ نے فرمایا کہ "یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے" جب کہ اس نے یہ آگاہ کر دیا ہے کہ تم دونوں نے اس کا دودھ پیا ہے' لہٰذا اسے چھوڑ دو" (۳۳) چنانچہ اس حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی کی گواہی کو قابل اعتبار سمجھا اور اس کی شہادت کے تحت حضرت عقبہ بن حارث کو اپنی بیوی چھوڑنے کا حکم دیا۔ اگر لونڈی کی شہادت قابل قبول نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کبھی نہ دیتے اور اگر لونڈی کی شہادت قبول ہو سکتی ہے تو غلام کی شہادت بطریق اولیٰ قبول ہونا چاہئے اور اگر غلام شہادت کا اہل ہو سکتا ہے تو قضاء کا بھی اہل ہوگا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ابو حذیفہ کے غلام سالم (۳۴) مسجد قبا میں مہاجرین اولین اور کبار صحابہ رسول اللہؐ کی امامت کرواتے تھے اور آپ کے اقتدا میں نماز ادا کرنے والے جلیل القدر صحابہ رسول میں ابو بکرؓ' عمرؓ' ابو سلمہؓ (۳۵) زیدؓ (۳۶) اور عامر بن ربیعہ (۳۷) شامل تھے۔ (۳۸)

۳۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سالمؓ جو ایک غلام تھے' نماز کی امامت کرواتے تھے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والوں میں جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ اگر غلام نماز کا دینی فریضہ سر انجام دینے کے لیئے امامت کا اہل ہو سکتا ہے تو وہ دنیاوی معاملات میں بھی فیصلہ کی اہلیت رکھنے کی بنیاد پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قول راجح:-

میں سمجھتا ہوں کے مذکورہ اقوال میں سے دوسرا قول اس صورت میں قابل ترجیح ہے'

جب کہ ایک مالک اپنے غلام کو اپنی رضا و رضیت سے قضا کا منصب قبول کرنے کی اجازت دے دے اور وہ اس منصب کی اہلیت بھی رکھتا ہو' اس لیئے کہ اگر ایک غلام صاحب علم و فضل ہو تو اس میں اور ایک آزاد شخص میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ایک غلام اپنے علم و فضل اور زھد و تقوی کی وجہ سے کئی آزاد انسانوں سے بھی کہیں زیادہ بہتر اور خدا کے ہاں اونچا مقام رکھتا ہو' غلام کو قاضی مقرر کرنے میں اگر کوئی امر مانع ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت کے لیئے محبوس ہے۔ چنانچہ اگر اس کا آقا اپنی رضامندی سے اسے قضا کا منصب سنبھالنے کی اجازت دے دے تو اس صورت میں غلام کو قضا کا منصب سپرد نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں اور وہ بالکل ایک آزاد شخص کی طرح قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

شرط خامس: الذکورہ (قاضی کا مرد ہونا)۔

قاضی کے منصب کے لیئے مرد ہونے کی شرط کے وجوب کے ضمن میں فقہاء اسلام کا تین مذاہب پر اختلاف واقع ہوا ہے۔ جسکی تفصیل درج ذیل ہے"۔

مذہب اول:

قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے مرد ہونا شرط ہے اور عورت کو کسی صورت میں قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ عورت نہ تو ان معاملات میں قاضی مقرر کی جا سکتی ہے جو صرف مردوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں جو مردوں اور عورتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورت کو حدود و قصاص و اموال اور دیگر کسی بھی معاملہ میں قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ جمہور فقہاء اسلام کا یہی مذہب ہے (۳۹) اور وہ اپنے اس مذہب کی تائید میں قرآن کریم' سنت رسول ' اجماع امت اور معقول سے استدلال پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم استدلال:۔

قرآن کریم میں خداء ذوالجلال کا ارشاد ہے (الرجال قوّامون علی النساء بما فضّل الله بعضهم علی بعض و بما أنفقوا من أموالهم) (۴۰) اس آیت کریمہ میں مرد کو عورت کا قیم کہا گیا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ قیم ہونے کی اس صفت کو مرد کے لیئے مختص کرتی ہے۔ چنانچہ اگر عورت کے لیئے قضاء کا منصب حاصل کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہو گا کہ عورت کو مرد پر برتری ہو جائے گی' جو صرف مرد کے لیئے ہی مختص ہے اور اس طرح یہ امر

مذکورہ آیت کے حکم کے بالکل خلاف ہوگا۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال:۔

۱۔ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴۱) روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران مقرر کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگہبان بنایا" (۴۲)

چنانچہ اس حدیث میں سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آگاہ فرمایا ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگران بنایا اور حضورؐ کا یہ فرمان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کو اسلامی ریاست میں کوئی ایسا منصب سپرد نہیں کیا جا سکتا جس میں اسے مسلمانوں پر کسی طرح کی بھی ولایت حاصل ہو۔

۲۔ حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قاضی تین قسم کے ہیں، جن میں ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ وہ شخص جس نے جانتے بوجھتے حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس نے علم نہ رکھنے کے باوجود لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کیئے وہ بھی جہنمی ہے اور وہ شخص جس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ (۴۳)

چنانچہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کے لیئے "رجل" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اپنے منطوق کے لحاظ سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قاضی مرد ہو اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت قضاء کے منصب کی اہل نہیں ہو سکتی۔

فقہاء جمہور کا اجماع امت سے استدلال:۔

فقہاء جمہور کا یہ استدلال ہے کہ خلفاء راشدین اور اس کے بعد اسلامی ریاست کا سربراہ بننے والوں نے ہر دور میں متعدد افراد کو قاضی مقرر کیا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت کو بھی یہ منصب سونپا گیا ہو اور اگر عورت کو قاضی مقرر کرنا جائز ہوتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد آنے والے ضرور عورتوں میں سے بھی قاضی مقرر کرتے۔ خلفائے راشدین اور ان کے بعد منصب خلافت سنبھالنے والوں کی طرف سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنا اس امر پر

اجماع کا درجہ رکھتا ہے کہ اسلامی ریاست میں عورت کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ (۴۴)

فقہاء جمہور کا معقول سے استدلال:۔

قاضی کو اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لیئے مردوں کی محفلوں سے سابقہ پیش آتا ہے' اسے متخاصم گروہوں کے اقوال سننے پڑتے ہیں۔ گواہوں کی شہادت اور مطلوبہ معاملہ میں حق تک پہنچنے کے لیئے دیگر تحقیقات کے دوران اس کا زیادہ تر معاملہ مردوں ہی سے پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیئے قاضی کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ کمال درجے کا فہم رکھتا ہو اور ہر امر میں صاحب رائے ہونے کے ساتھ ساتھ فیصلہ کرنے کی بھی قوت کا حامل ہو اور کسی بھی حالت میں اپنے جذبات کی رو میں بہنے والا نہ ہو' لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عورت اس معیار پر پوری نہیں اترتی ۔ چنانچہ عورت مردوں کی محفل میں شریک نہیں ہو سکتی۔ شرعاً اس کے لیئے جائز نہیں کہ وہ غیر محرم مردوں کو دیکھے اور نہ ہی کسی غیر محرم مرد کے لیئے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ کسی بھی معاملہ کی تحقیقات کے لیئے مطلوبہ کارروائی کی اہل نہیں ہوتی۔ دوسری طرف مرد کے مقابلہ میں کم عقل اور ناقص تفکیر کی مالک ہوتی ہے۔ وہ صاحب رائے نہیں ہوتی اور فیصلہ کی قوت بھی نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں وہ وقتی جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اس میں موجود رحمت و شفقت کا مادہ بھی اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر عورت کو قاضی مقرر کرنا عقلاً درست نہیں۔ (۴۵)

جہاں تک ایسی مثالوں کا تعلق ہے جن میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں نے اپنے آپ کو زیادہ باصلاحیت ثابت کیا ہے۔ تو ایسی مثالیں بہت ہی شاذ و نادر ہیں اور شریعت اسلام کے احکامات کسی امر نادر کے بجائے امر غالب کی بنیاد پر مرتب ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں عورت کے لیئے نماز کی امامت بھی جائز نہیں ۔ حالانکہ ایک فاسق مرد بھی نماز میں امام تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے فسق کی وجہ سے اسے قاضی مقرر کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر فاسق کو قضاء کا منصب سپرد کرنا جائز نہیں' حالانکہ وہ نماز فرض میں امامت کروانے کا اہل ہے تو عقلاً اس عورت کو جو نماز میں امامت کی بھی اہل دین قضا کا منصب سپرد کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

مذہب ثانی:۔

فقہاء احناف کے نزدیک حدود و قصاص سے تعلق رکھنے والے معاملات کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ (۴۶) ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت حدود و قصاص کے علاوہ دیگر تمام معاملات میں گواہی دینے کی اہل ہے اور اگر وہ شہادت دینے کی اہل ہے تو وہ ان معاملات میں قضا کی بھی اہل ہو گی۔ چنانچہ ان معاملات میں عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مذہب ثالث:۔

فقہاء سلف میں سے بعض، جن میں امام ابن جریر الطبری (۴۷) اور امام ابن حزم الظاہری شامل ہیں، کے نزدیک عورت کو تمام معاملات میں قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے خواہ یہ معاملات مالی تنازعات سے متعلق ہوں یا حدود و قصاص سے متعلق ہوں، عورت مرد ہی کی طرح تمام معاملات میں فیصلہ کے لیئے قاضی مقرر کی جا سکتی ہے۔ فقہاء کا یہ گروہ اپنے مذہب کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہے (۴۸) ۔

۱۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے ان اللہ یا مرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس اَن تحکموا بالعدل، (۴۹) امام ابن حزم اس آیت سے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ "یہ آیت عام ہے اور عورت و مرد، آزاد و غلام سب اس کے مخاطب ہیں اور دین کے احکام سب کے لیئے ایک جیسے ہیں، ماسوائے اس کے کہ کسی کے لیئے تخصیص وارد ہوئی ہو لیکن شریعت میں ایسی کوئی نص نہیں ملتی جس میں عورت کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، لہذا عورت کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

امام ابن حزم الظاہری فقہاء جمہور کی طرف سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنے کے بارے میں اس حدیث نبوی کے بارے میں کہ "وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کو اپنے امور کا نگہبان بنایا" یہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم کا یہ ارشاد عورت کو خلافت کا منصب سپرد کرنے سے منع کرتا ہے اور اس کی روشنی میں عورت کو مملکت کا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔ جہاں تک قضاء کا تعلق ہے تو عورت کو قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے۔ اور مذکورہ حدیث عورت کو قاضی مقرر نہ کرنے پر دلالت نہیں کرتی۔ حضور نبی کریمؐ سے ایک اور حدیث مروی

ہے کہ آپ نے فرمایا "عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے"۔ امام ابن حزم کے نزدیک یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت سربراہ ریاست کے علاوہ تمام مناصب کی اہلیت رکھتی ہے اور سربراہ مملکت بھی صرف اسی لیئے نہیں بن سکتی کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

امام ابن حزم الظاہری نے مذکورہ جس آیت کریمہ سے عورت کو قضاء کا منصب سپرد کرنے کے بارے میں استدلال کیا ہے جمہور فقہاء اسلام اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث (ان یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ) آیت کے حکم عام کی تخصیص کرتی ہے اور یہ عورت کو قضاء کا منصب سپرد نہ کرنے پر دلیل ہے۔ اسی طرح جمہور فقہاء اسلام امام ابن حزم کی طرف سے مذکورہ حدیث کو خلافت کے منصب کے لیئے مخصوص کرنے اور اس سے یہ استدلال لینے کہ عورت صرف سربراہ مملکت نہیں بن سکتی جب کہ اسے قاضی بنایا جا سکتا ہے' اور یہ حدیث قضا کا منصب سپرد کرنے میں مانع نہیں ہوتی' کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں "ولوا" کا لفظ وارد ہوا ہے اور ولایت عام بھی ہو سکتی ہے اور خاص بھی۔ عام ولایت سربراہ ریاست کی ہے اور خاص میں قضاء شامل ہے اور اس حدیث کی رو سے عورت کو عام و خاص دونوں ولایات سپرد نہیں کی جا سکتیں۔ اسی طرح امام ابن حزم کا یہ قول کہ مذکورہ حدیث عورت کے سربراہ ریاست بنانے سے ممانعت کے بارے میں وارد ہوئی ہے' درست نہیں بلکہ یہ ہر طرح کی ولایت سے منع کرتی ہے۔

۲۔ امام ابن حزم عورت کو قاضی مقرر کرنے کو جائز قرار دینے کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے خاندان کی ایک عورت کو' جس کا نام الشفاء (۵۰) تھا' بازار کی نگرانی پر مقرر کیا تھا اور چونکہ عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کرنا اور عورت کو قاضی بنانا دونوں ولایت سے متعلق امور ہیں' اس لیئے حضرت عمرؓ کے اس فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ جمہور فقہاء اسلام حضرت عمرؓ سے مروی اس واقعہ کی صحت کے منکر ہیں اور حضرت عمرؓ سے اس کی نسبت کو تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ ابو بکر

بن العربی (۵۱) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یہ واقعہ صحیح نہیں اور نہ ہی حضرت عمر سے اس کی نسبت صحیح ہے' لہٰذا اس کی طرف التفات درست نہیں۔" (۵۲)

۳۔ علامہ ابن جریر الطبری عورت کو ہر قسم کے معاملات میں قاضی مقرر کرنے کے جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عورت تمام معاملات میں فتویٰ دینے کی اہل ہے اور اگر وہ ہر قسم کے معاملات میں فتویٰ دے سکتی ہے تو اسے بلا تخصیص ہر معاملہ میں قاضی بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ (۵۳)

علامہ ابن جریر الطبری کی اس دلیل کا جمہور فقہاء اسلام نے یہ جواب دیا ہے کہ قضاء اور افتاء میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ افتاء میں مفتی کے فتویٰ کی کوئی الزامی حیثیت نہیں ہوتی اور یہ مستفتی کی اپنی مرضی ہے کہ وہ مفتی کا فتویٰ قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور یا اسے قبول نہ کرے اور رد کر دے۔ جب کہ قضاء میں قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دو فریقین اس فیصلہ کی پابندی پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس طرح عورت کے افتاء کی اہلیت کو اس کے قضاء کے منصب کے لیئے اہلیت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ علامہ ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں "جہاں تک عورت کے فتوے اور گواہی کے لیئے اس کی اہلیت کا تعلق ہے تو یہ اس لیئے ہے کہ ان امور میں کوئی ولایت نہیں اس لیئے علم حاصل کرنے میں عورت کے لیئے کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو کسی قسم کی ولایت سے متعلق ہیں تو وہ عورت کے سپرد نہیں ہو سکتے۔ (۵۴)

مذہب راجح:۔

ہر تین مذاہب کے فقہاء کے دلائل کی تفصیل جاننے کے بعد میری نظر میں قاضی ہونے کے لیئے مرد ہونے کی شرط کے بارے میں جمہور فقہاء اسلام کا مذہب ہی قابل ترجیح ہے۔ اس لئے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اپنے مذہب کی تائید میں جو دلائل پیش کیئے ہیں وہ ان دلائل سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں جو دیگر فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کی تائید میں ذکر کیئے ہیں۔ مذکورہ دلائل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عورت اور مرد کی ساخت اور ہر دو کو دی گئی ذہنی' فکری اور جسمانی صلاحیتوں میں بھی کافی فرق ہوتا ہے اور عورت مرد کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو یہ فضیلت بخشی ہے کہ وہ عورت

پر نگران ہو۔ علامہ ابو بکرؒ بن العربی قرآن کریم کی اس آیت کی تفصیل میں کہ (الرجال قوّامون علی النساء بما فضّل اللہ بعضھم علی بعض) (۵۵) فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قیم ہونے کی یہ برتری تین بڑی وجوہات کی بناء پر عطا فرمائی ہے۔

پہلی وجہ۔

مرد کی عقل کا پختہ ہونا اور اس میں خیر و شر کی تمیز کا عنصر عورت کے مقابلے میں زیادہ ہونا۔

دوسری وجہ۔

مرد کا جہاد اور قتال میں شریک ہونا' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا اور اسی طرح کے دیگر امور سے عہدہ براء ہونا' جو عورت کے مقدور میں نہیں۔ چنانچہ ایک اور صحیح حدیث میں نبی کریمؐ نے عورتوں کے دین اور عقل کو ناقص فرمایا تو عورتوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا "کیا ایسا نہیں ہے کہ تم سے بعض نماز اور روزہ کے قابل نہیں ہوتیں؟ تو یہی امر تمہارے دین میں ناقص ہے اور کیا ایسا نہیں کہ تم میں سے ایک کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف ہے؟ تو یہی تمہارے عقل میں نقص کا باعث ہے۔ (۵۶) - اسی بارے میں خداوند ذوالجلال کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ (ان تضل احداھما فتذکر احداھما الأخری)۔ (۵۷)

تیسری وجہ۔

مرد کا عورت پر مہر و نفقہ کی صورت میں مال خرچ کرنا اور اسی امر کو خداوند ذوالجلال نے مذکورہ آیت میں بیان فرمایا ہے۔ (۵۸)

شرط سادس: عدالت۔

عدالت کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے متصف انسان ہمیشہ سچ بولنے والا ہو۔ جو چیز اس کے سپرد کی جائے اس کا امین ہو' گناہوں سے بچتا ہو' کسی ایسے معاملے میں ملوث نہ ہوتا ہو جو اس کی شخصیت سے متعلق کسی شبہ اور اس کے چال چلن سے متعلق کسی شک کا سبب بنے۔ غصے کی حالت میں آپے سے باہر ہونے والا نہ ہو اور نہ ہی خوشی کی حالت میں حد سے تجاوز کر جانے والا ہو غرضیکہ اس کی شخصیت میں خیر کا پہلو ہر لحاظ سے زیادہ ہو۔ (۵۹)

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے عدالت کی مذکورہ شرط کے وجود کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قول اول:

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک قاضی کے منصب پر تقرری کے خواہشمند میں عدالت کی صفت کا پایا جانا شرط ہے۔ چنانچہ کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا جو فاسق ہو (۶۰)' جمہور فقہاء اپنے اس قول کی تائید میں قرآن کریم' سنت رسول اور معقول سے دلائل پیش کرتے ہیں:

قرآن کریم سے استدلال:

۱۔ قرآن کریم میں خداوند ذوالجلال کا ارشاد ہے (یا ایہا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباءٍ فتبیّنوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین) (۶۱) چنانچہ اس آیت کریمہ میں خداوند ذوالجلال نے کسی فاسق کا قول قبول کرنے سے منع فرمایا ہے اور اگر فاسق کا قول قابل قبول نہیں تو اس کے حکم کا نافذ ہونا بطریق اولی منع ہوگا اور اسے قاضی مقرر نہیں کیا جا سکے گا۔

۲۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے (ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار) (۶۲) چنانچہ اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے ظالموں سے میل جول رکھنے اور ان کے اعمال و افعال سے راضی ہونے سے منع فرمایا ہے اور کسی چیز سے ممانعت اس کے فساد کی دلیل ہے۔ اسلیئے کہ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کے اقوال و افعال بھی فاسد ہونگے اور اسی میں ان کی قضاء بھی شامل ہے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تمہارے ساتھ خیانت سے پیش آئے تم اس سے خیانت مت برتو" (۶۳)

چنانچہ وہ شخص جس میں عدالت کا وصف نہیں ان صفات کا حامل نہیں ہو سکتا جو حضور نبی کریم ؐ نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہیں اور جو شخص امانت واپس نہ کر سکتا ہو وہ امانت کا

بوجھ بھی کبھی نہیں اٹھا سکتا اور چونکہ قضاء ایک ایسی امانت ہے جس میں قاضی لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا امین ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ امانت کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا جائز نہ ہوگا جو عدالت کی صفات سے مبرا ہو۔

معقول سے جمہور کا استدلال:

وہ شخص جس میں عدالت کا وصف نہیں پایا جاتا اس امر کا بھی اہل نہیں کہ وہ گواہی دے سکے اور اگر وہ غیر عدل ہونے کی وجہ سے شرعاً شہادت دینے کا بھی اہل نہیں تو وہ قضاء کا منصب سنبھالنے کا تو کسی صورت میں اہل نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے کہ شہادت کا مرتبہ قضاء سے کہیں کم ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں "جب اللہ تعالی نے شہادت کی ادائیگی کے لیئے عدالت کے وصف کو شرط ٹھرایا ہے تو قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اس وصف کا وجود بطریق اولی ضروری ہوگا۔ (۶۴)

قول ثانی۔

فقہاء احناف میں سے بعض کے نزدیک قاضی کے منصب پر تقرری کے لیئے خواہش رکھنے والے شخص کے لیئے عدالت کے وصف کا پایا جانا اس کی تقرری کے لیئے شرط نہیں البتہ ایسا شخص دوسروں کے مقابلہ میں افضل اور قضاء کا منصب حاصل کرنے کا زیادہ مستحق ہے جس میں عدالت کا وصف موجود ہو۔ تاہم ان کے نزدیک اگر کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جائے جس میں عدالت کا وصف موجود نہ ہو تو اس کی تقرری بھی درست اور اس کا حکم بھی قابل نفاذ ہوگا۔ (۶۵) مشہور حنفی عالم علامہ ابن عابدین (۶۶) فرماتے ہیں "اگر اس وصف کا ••• یعنی قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے عدالت کا ہونا شرط قرار دیا جائے تو خصوصاً ہمارے دور میں قضاء کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اس لیئے فاسق کے بھی قضاء کے منصب کے لیئے اہلیت رکھنے کا قول ہی زیادہ قابل اعتبار ہے" (۶۷)

یہاں یہ امر بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ احناف کے نزدیک قذف کے جرم میں سزا یافتہ شخص قضاء کا منصب حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا خواہ اس نے اپنے سابقہ جرم سے توبہ اور آئندہ کے لیئے اصلاح ہی کیوں نہ کر لی ہو۔ (۶۸) اس لیئے کہ خدوند ذوالجلال کا ارشاد ہے

(والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لھم

شہادۃ أبداً و أولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذالک و أصلحوا فان اللہ غفور رحیم)۔ (٦٩)

فقہاء احناف کے نزدیک اس آیت کریمہ کے آخر میں میں جو استثناء وارد ہوا ہے وہ صرف آخری سزا یعنی فسق کے ضمن میں ہے۔ چنانچہ قاذف توبہ کی صورت میں فاسق نہیں رہے گا لیکن اس کے باوجود اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکے گا۔ جبکہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک مذکورہ آیت کریمہ میں وارد استثناء فسق اور شہادت قبول نہ کرنے' دونوں کے بارے میں ہے۔ چنانچہ قذف سے توبہ کرنے والا فاسق بھی نہیں رہے گا اور اس کی گواہی بھی قبول ہو گی۔ جمہور فقہاء اسلام اس ضمن میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۷۰) پر قذف کے الزام میں ابا بکرہ' شبل بن معبد (۷۱) اور نافع (۷۲) پر حد جاری کرنے کے بعد انہیں توبہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ جس نے توبہ کی میں اس کی گواہی قبول کروں گا۔ ابو الزناد (۷۳) کہتے ہیں کہ "مدینہ میں ہمارے نزدیک قاذف جب اپنے قذف سے رجوع کر کے اللہ تعالی سے توبہ کرتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے" اور امام ثوری (۷۴) فرماتے ہیں کہ "قذف میں جس پر حد نافذ ہوئی اور پھر اس نے توبہ کر لی تو اس کی قضاء جائز ہو گی"۔ (۷۵)

قول راجح:۔

میں سمجھتا ہوں کہ جمہور فقہاء اسلام کا قاضی میں عدالت کے وصف کی شرط کے پائے جانے کے بارے میں مذکور قول ہی قابل ترجیح ہے' اسلئے کہ قضاء کا منصب ایک عظیم امانت ہے اور ایک غیر عادل شخص اپنے نفس تک کے بارے میں شریعت کے احکامات کا پابند نہیں ہو سکتا تو اس سے یہ توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق کا امین ہو گا اور ان پر احکام شریعت نافذ کرے گا۔ اسی طرح جمہور فقہاء اسلام کا یہ مسلک بھی قابل ترجیح ہے کہ قاذف توبہ کے بعد قضاء کا منصب حاصل کرنے کا اہل ہو گا اور اسے یہ منصب سپرد کیا جا سکے گا۔ اس لیئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (وأشھدوا ذوی عدل منکم) (۷۶) فاسق جب اپنے فسق سے توبہ کرتا ہے تو وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے اور گواہی کے ساتھ اسے قضاء کا منصب بھی سپرد کیا جا سکتا ہے۔

شرط سابع: اجتہاد (۷۷)

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اجتہاد کی شرط کے وجوب کے بارے میں فقہاء اسلام سے تین اقوال منقول ہیں' جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔"

قول اول۔

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اجتہاد شرط ہے۔ چنانچہ کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا جو مقلد ہو اور اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ شافعی مذہب کے فقہاء کا یہی قول ہے (۷۸) اور حنابلہ کے نزدیک بھی یہی قابل ترجیح ہے (۷۹)۔ فقہاء کا یہ گروہ اپنے اس قول کی تائید میں قرآن کریم' سنت رسول اور معقول سے دلائل پیش کرتا ہے۔

قرآن کریم سے استدلال:۔

خداوند ذوالجلال کا ارشاد ہے (فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول) (۸۰)

چنانچہ اس آیت کریمہ میں خدوند ذوالجلال نے کسی بھی اختلاف اور جھگڑا کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جس کے معنی اللہ تعالی کی کتاب اور سنت رسول ؐ کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور اسی کی روشنی میں تمام تنازعات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اللہ کی کتاب اور رسول کریم ؐ کی طرف وہی شخص رجوع کر سکتا ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جہاں تک مقلد کا تعلق ہے وہ اپنے امام کی رائے کا پابند ہوتا ہے اور اپنے پاس پیش ہونے والے معاملہ میں وہ اپنے امامؒ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ اس آیت میں کسی بھی تنازعہ کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول ؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ مجتہد کا ہی کام ہے۔ اسلیئے اس آیت کریمہ کی رو سے کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا جو مقلد ہو۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال:۔

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں' جن میں دو جہنمی اور ایک جنتی ہے۔ جس شخص نے جان بوجھ کر حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے اور جس نے علم کے بغیر فیصلہ کر کے لوگوں کے حقوق

ضائع کیئے وہ بھی جہنمی ہے۔ جس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ (۸۱)

چنانچہ اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جہنم کی وعید سنائی ہے جو علم کے بغیر فیصلہ کر کے لوگوں کے حقوق ضائع کرتا ہے اور مقلد شخص کیونکہ اپنے امام کی رائے اور اس کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اسلیئے اسے خود اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کے جس قول کے مطابق فیصلہ کر رہا ہے اس کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ آیا وہ صحیح اور درست بھی ہے کہ نہیں۔ اسلیئے مذکورہ حدیث کی روشنی میں کسی ایسے شخص کو قضاء کا منصب سپرد کرنا جائز نہیں ہوگا جو خود اجتہاد کا ملکہ نہ رکھتا ہو اور مقلد غیر ہو۔

معقول سے استدلال:۔

مفتی کے لیئے مجتہد ہونا ضروری ہے' حالانکہ مفتی کا فتویٰ الزامی حیثیت کا حامل نہیں ہوتا جب کہ قاضی کا فیصلہ الزامی حیثیت رکھتا ہے اور اگر مفتی کے لیئے اجتہاد کی صلاحیت شرط ہے تو قاضی کے لیئے جس کا حکم فتوے کی نسبت زیادہ حیثیت رکھتا ہے اور لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو جس کے حکم سے متعلق ہوتے ہیں' اجتہاد کی شرط کا ہونا لازمی ہے۔ (۸۲)

قول ثانی:۔

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اجتہاد شرط نہیں۔ چنانچہ کسی مقلد کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر کوئی مجتہد دستیاب ہو تو اس کو قضاء کے منصب پر تقرری کے لیئے مقلد پر ترجیح دی جائے گی۔ فقہاء احناف کا یہی قول ہے' (۸۳) اور مالکیہ کے نزدیک بھی یہی قابل ترجیح ہے (۸۴) ۔ ان کی یہ دلیل ہے کہ مجتہد دستیاب ہونا مشکل ہوتا ہے اور اگر قاضی کے لیئے اجتہاد کی شرط لازمی قرار دی جائے اور مقلد کے لیئے یہ منصب حاصل کرنا جائز نہ رکھا جائے تو موجودہ زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا شخص مل سکے جو قضاء کا منصب حاصل کرنے کا اہل ہو سکے۔ چنانچہ یہ امر معاشرہ میں فتنہ و فساد کے پھیلنے' لوگوں کے حقوق ضائع ہونے اور احکام شریعت کے تعطل کا شکار ہونے کا باعث بنتا ہے۔ لہذا قاضی کے لیئے اجتہاد کی شرط لازمی نہیں اور مقلد کو بھی یہ منصب سونپا جا سکتا ہے۔ بعض فقہاء احناف نے تو اس ضمن میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ جاہل کو بھی اس شرط پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت علماء سے مشورہ کرے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ الکاسانی (۸۵) فرماتے

ہیں" لیکن اگر جاہل کو قاضی مقرر کیا گیا تو وہ ہمارے نزدیک جائز ہوگا، اسلیئے کہ وہ دیگر فقہاء کے فتوؤں کے مطابق اور علماء سے مشورہ کر کے حق کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے" ۸۶)

قول ثالث:۔

بعض مالکیہ (۸۷) اور حنابلہ (۸۸) کے نزدیک اگرچہ قاضی کے لیئے مجتہد ہونا شرط ہے مگر یہ شرط اس صورت میں قابل عمل ہے جبکہ ایسے لوگوں کا وجود ممکن ہو۔ چنانچہ اگر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے موجود نہ ہوں تو مقلدین میں سے سب سے بہتر کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ دلیل ہے کہ اگر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والا کوئی شخص دستیاب نہ ہو اور کسی مقلد کو قاضی مقرر کرنا درست نہ ہو تو اس سے یہ منصب خالی رہے گا اور شریعت کا وہ مقصد پورا نہیں ہو سکے گا جو شارع نے نظام قضاء کی مشروعیت میں رکھا ہے، لہٰذا اجتہاد کی شرط اگرچہ ضروری ہے لیکن یہ شرط اسی صورت میں قابل عمل ہے جب کہ ایسے لوگوں کا وجود ہو جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں، لیکن اگر ایسے افراد مفقود ہوں تو پھر مقلد کو بھی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قول راجح:۔

اس شرط کے ضمن میں مختلف فقہاء اسلام کے اقوال جاننے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ منصب قضاء پر تقرری کے لیئے اجتہاد کا ملکہ رکھنے والوں کی موجودگی میں کسی غیر مجتہد کو یہ منصب سونپنا درست نہیں ہوگا۔ تاہم اگر کوئی بھی ایسا شخص موجود نہ ہو جو اجتہاد کا ملکہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں مقلدین میں سے بہتر مقلد کو یہ منصب سونپنا جائز ہوگا اور ایسی صورت میں قضاء کے لیئے اس شرط کا اعتبار نہ کرنا ہی درست ہوگا۔ علاوہ ازیں کسی فقہی مذہب کے مقلدین میں سے اپنے مذہب کے بارے میں جو نسبتاً بہتر علم رکھتا ہو اسے دوسروں پر ترجیح دی جائے گی۔ مشہور شافعی فقیہ اور قاضی علامہ ابی الدم الحموی قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے اجتہاد کی شرط پر تفصیلی کلام کے بعد فرماتے ہیں "اس ساری بحث کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اجتہاد کی شرط اس دور میں تو درست تھی جبکہ کوئی بھی علاقہ ایسے صالح صفت مجتہدین سے خالی نہیں تھا جو قضاء اور افتاء کے اہل ہوتے تھے، لیکن جہاں تک ہمارے دور کا تعلق ہے تو اب چونکہ اس قسم کے لوگ ناپید ہیں، اسلیئے ہمارے لیئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ ہم اس

قول کو ہی قابل ترجیح سمجھیں کہ جس کی رو سے کسی امام کے پیرو کار کو اپنے امام کے مذہب کے بارے میں علم رکھنے کی صورت میں اسے قضاء کا منصب سپرد کیا جا سکتا ہے۔ عالم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے ائمہ کے اقوال اور نصوص کے غالب حصہ کو سمجھتا ہو' ذہین و فطین ہو' صحیح تفکیر اور فطرت سلیمہ کا مالک ہو' اپنے مذہب کے مرجوح اقوال کی نسبت درست اقوال کا زیادہ علم رکھتا ہو' اپنے ائمہ کے اقوال کو جانتا ہو' اپنے مذہب میں نقل شدہ عبارات سے درست سمجھ آنے والا مفہوم سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو۔ قیاس کا ملکہ حاصل ہو اور فہم و فراست کا مالک ہو' دلائل کی پہچان کر سکتا ہو اور ان کی صحیح ترتیب اور مختلف احکام کی پرکھ ان دلائل کی روشنی میں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں مذکورہ صفات کے حامل کو قضاء کا منصب سپرد کرنا جائز ہوگا اور ایسے شخص کے قاضی کے منصب کے لیئے اہل ہونے' اس کے حکم کے نافذ اور فتوے کے قبول ہونے کا قول ہی خصوصاً اس دور میں جب کہ ان صفات کا حامل تلاش کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے' قابل ترجیح ہوگا" (۸۹)

جہاں تک فقہاء احناف میں سے بعض کے اس قول کا تعلق ہے کہ کسی جاہل کو بھی اس شرط پر قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے کہ وہ علماء سے مشورہ کے ذریعے فیصلہ کرے تو یہ قول قابل التفات نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ قضاء ایک خطرناک منصب ہے اور اس منصب پر تقرر کے لیئے دیگر تمام مناسب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ قاضی ابن فرحون المالکی اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ قول شاذ اور بعید من الصواب ہے' اسلیئے کہ قاضی دیگر تمام لوگوں سے زیادہ علم کا محتاج ہے" (۹۰)

شرط ثامن: سلامت سمع اور دیکھنے و بولنے پر قدرت:۔

ا۔ سلامت سمع:

فقہاء اسلام کے نزدیک قاضی کے لیئے قوت سماع کا سلامت ہونا بھی شرط ہے۔ (۹۱) اس لیئے کہ قاضی لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ ہر دو فریقین اور گواہوں وغیرہ کے بیانات سن کر ہی کر سکتا ہے اور اسی طرح وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے قابل ہو سکتا ہے اور مقر و منکر کی پہچان کر سکتا ہے۔ چنانچہ کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہوگا جو سماع کی قوت نہ رکھتا ہو اور اگر کوئی اس منصب پر فائز ہونے کے بعد کبھی قوت سماع سے محروم

ہو گیا تو وہ اس منصب کا اہل نہیں رہے گا۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اگر ایک شخص مکمل طور پر قوت سماع سے محروم نہیں بلکہ اونچی آواز سن سکتا ہے یا کسی آلے کے ذریعے وہ آواز سننے پر قادر ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ صورت میں بھی مکمل طور پر سماع کی قوت رکھنے والے ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ (۹۲)

مالکی مذہب کے فقہاء کے نزدیک قاضی کی قوت سماعت کا سلامت ہونا اگرچہ شرط ہے اور قوت سماعت سے محروم شخص کو معزول کرنا واجب ہوتا ہے، تاہم ایسا شخص جس کی معزولی اس بنیاد پر ہوگی، معزول ہونے سے قبل جو فیصلے کرے گا وہ قابل نفاذ ہوں گے۔ (۹۳) جب کہ دیگر مذاہب کے فقہاء کے نزدیک قوت سماعت سے معزور شخص کو معزول ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے کیئے گئے فیصلے بھی کالعدم تصور ہونگے اور انہیں نافذ نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ سلامت بصر۔

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے بینائی کا سلامت ہونا بھی شرط ہے۔ (۹۴) چنانچہ کسی ایسے شخص کو قضاء کا منصب سونپنا درست نہیں ہوگا جو بینائی سے محروم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بینائی سے محروم شخص اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ مدعی اور مدعی علیہ میں تمیز کر سکے۔ نہ ہی وہ اقرار کرنے والے اور جس کے حق میں اقرار کیا جائے اس کی پہچان کر سکتا ہے اور نہ ہی گواہوں اور خصوم میں فرق کر سکتا ہے۔ امام ابن حزم الظاہری کے نزدیک (۹۵) اور حنابلہ کے ہاں ایک مرجوح قول (۹۶) کی رو سے قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے بینائی کا ہونا شرط نہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک جس طرح بینائی سے محروم شخص کی گواہی قابل قبول ہے، اسی طرح اس کو قاضی مقرر کرنا بھی درست اور جائز ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے جمہور فقہاء اسلام کی طرف سے قاضی کی بینائی کے سلامت ہونے کی شرط کا قول ہی قابل ترجیح ہے، اسلیئے کہ قضاء کا منصب اسلامی مملکت کے خطرناک ترین مناصب میں سے ہے۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کے تحفظ کی اہم ذمہ داری وہ شخص پوری طرح ادا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا جو بینائی کی قوت سے محروم ہو۔ اس لیئے قاضی کے لیئے سلامت بصر کی شرط کے وجوب کے بارے میں جمہور فقہاء اسلام کا مذہب ہی قابل ترجیح ہے۔

۴۔ سلامت نطق

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک قاضی کے منصب کی اہلیت کے لیئے نطق کی قدرت رکھنا شرط ہے۔ (۹۷) چنانچہ کسی ایسے شخص کو جو نطق کی قدرت نہ رکھتا ہو، قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ اشارے کے ذریعے اپنا مدعا بیان کرنے پر کتنا ہی قادر کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نطق کی قدرت نہ رکھنے والا شخص اپنی عدالت میں پیش ہونے والے معاملات میں فریقین مقدمہ پر جرح نہیں کر سکتا اور نہ ہی خود فیصلے کے الفاظ کی ادائیگی کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے شخص کا اشارہ بھی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اشارے سے اس کا صحیح مفہوم متعین کرنا ہر ایک کے بس کی بات ہے۔

فقہاء شافعیہ میں سے بعض کے نزدیک نطق کی قدرت نہ رکھنے والے کسی شخص کو اس صورت میں قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے کہ اس کا اشارہ سمجھا جا سکتا ہو۔ اور وہ دوسروں کا اشارہ بھی سمجھنے اور اس سے مقصود تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۹۸) لیکن جمہور فقہاء اسلام کا مذہب ہی قابل ترجیح ہے، اسلیئے کہ نطق کی صلاحیت نہ رکھنے والا ایسے نقص کا شکار ہوتا ہے جس کی موجودگی میں نہ صرف انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ وہ قاضی کی شخصیت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی عدالت کے رعب و دبدبہ میں کمی کا باعث بن سکتا ہے۔

آخر میں یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ فقہاء اسلام کے نزدیک اس شرط کے تحت وہ شخص قضاء کے منصب کا اہل نہیں جو مکمل طور پر نطق کی صلاحیت سے محروم ہو، جہاں تک ایسے شخص کا تعلق ہے جس کی زبان میں لکنت ہو مگر اس کے باوجود اس کی بات سمجھ میں آ سکتی ہو تو ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے اور اس کی زبان کا یہ نقص اسے قضاء کا منصب سپرد کرنے کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیئے پسندیدہ صفات:

قضاء کے منصب کی اہلیت کے لیے مطلوبہ شرائط کے علاوہ فقہاء نے چند ایسی صفات بیان کی ہیں جن کا قضاء کے منصب پر تقرری کے خواہش مند میں پایا جانا مستحب ہے۔ مثلاً یہ کہ قاضی صحیح البدن ہو، خوف خدا رکھتا ہو، نیک شہرت کا حامل ہو، ضعیف الاعتقاد نہ ہو، مختلف مسائل کو سمجھ سکتا ہو اور باریک بینی سے چھان بین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ شدید ہو مگر ظالم نہ ہو،

منکسرالمزاج ہو مگر ضعیف نہ ہو، کوئی طاقتور اس پر اثر انداز نہ ہو سکتا ہو اور کوئی کمزور اس کے عدل سے محروم نہ ہو۔ جس علاقے کے لوگوں پر اس کی تقرری ہو، ان کی زبان جانتا ہو۔ حریص و لالچی نہ ہو، صادق و امین ہو اور وعدہ وفا کرنے والا ہو۔ غرضیکہ قاضی میں وہ تمام صفات موجود ہوں جن سے لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام بڑھے اور اس کے اقوال و افعال اور عام و نجی زندگی میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی شخصیت متاثر ہوتی ہو اور لوگوں کے درمیان اس کی عزت و وقار میں کمی واقع ہوتی ہو۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ شروط شرط کی جمع ہے اور لغت میں شرط علامت کو کہتے ہیں، دیکھئے :مقاییس اللغة۔ ج ۳ ص ۲۶۰، فقہاء شریعت کی اصطلاح میں شرط اسے کہتے ہیں جس پر کوئی دوسری چیز متوقف ہو اور اس کا پایا جانا اس چیز کے وجود کے لیئے بھی ضروری ہو۔ دیکھئے، الاحکام للآمدی ج ۴ ص ۱۳۰۔

۲۔ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۳ ص ۱۷ (دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعة الثانیة) القاضی ابراهیم بن علی بن ابی القاسم بن فرحون المدنی: تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة و مناهج الاحکام، ج۱ ص ۲۳ (مطبعة مصطفی الحلبی بالقاهرة، الطبعة الاخیرة)۔ محمد بن عبدالرحمان الطرابلسی المغربی المعروف بالخطاب: مواهب الجلیل شرح مختصر خلیل، ج ۶ ص ۸۷۔ (مکتبه النجاح، طرابلس - لیبیا) - ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی: الاحکام السلطانیة والولایات الدینیة - ص - ۶۵، مطبعة مصطفی الحلبی، بمصر، الطبة الاولی)، ابو اسحاق ابراهیم بن عبدالله المعروف بابن ابی الدم الحموی: ادب القضاء ص - ۸، (مجمع اللغة العربیة بدمشق) تحقیق :- الدکتور محمد مصطفی الزحیلی، محمد نجیب المطیع، المجموع شرح المهذب ج ۱۹ ص ۱۱۳، (المکتبه العالمیة بمصر، الطبعة الاولی)۔ عبدالله بن احمد بن محمد بن قدامة المقدسی: المغنی علی مختصر الخرقی، ج ۹، ص ۳۷ (مطبعة دارالمنار، الطبعة الثالثة)۔ علاؤالدین ابی الحسن علی بن سلیمان المرداوی: الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف علی مذهب الامام احمد بن حنبل۔ ج ۱۱ ص ۱۵۸، (المطبعة المصریة بالقاهرة، الطبعة الاولی)۔ ابومحمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی: المحلی، ج - ۱۰ ص ۵۰۹۔

۳۔ سورۃ النساء ۔ آیت ۱۴۱۔

۴۔ حدیث کی شرح کے لیئے دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج۳، ص ۲۱۸۔

۵۔ اس ضمن میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

۶۔ ادب القاضي للماوردی' ج ۱ ص ۶۳۳۔

۷۔ فخر الدّین عثمان بن علی الزیلعی۔ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق - ج ۴' ص ۱۷۵ (دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر' بیروت' الطبعۃ الاولی) - المجموع شرح المہذب' ج ۱۹ ص ۱۱۴۔

۸۔ الأحکام السلطانیہ للماوردی - ص ۶۹ - شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب: مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج' ج ۴ ص ۳۷۵ (دارالفکر البیروت) - المحلی لابن حزم' ج' ۱۰ ص ۵۰۹۔

۹۔ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی: ادب القاضی ج ۱ ص ۶۳۲' ۶۳۳ (مطبعۃ العانی بغداد) - مغنی المحتاج' ج ۴' ص ۳۷۵۔ المحلی ج ۱۰ ص ۵۰۹۔

۱۰۔ سورۃ التوبۃ' آیت۔ ۲۹

۱۱۔ زین العابدین بن ابراهیم بن نجیم: البحر الرائق شرح کنزالد قائق' ج۶' ص ۲۸۳ (دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر' بیروت - الطبعۃ الثانیۃ) محمد امین عابدین الشہیر بابن عابدین: حاشیۃ ابن عابدین- ج۵' ص ۲۵۵۔ رد المختار علی الدرالمحتار' (مطبعۃ مصطفی الحلبی' القاهرۃ' الطبعۃ الثانیۃ)۔

۱۲۔ سورۃ المائدہ - آیت ۵۱

۱۳۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۵ ص ۳۵۵

۱۴۔ بدائع الصنائع ۳/۷' علاؤالدین ابوالحسن علی بن خلیل الطرابلسی: معین الحکام فیما یتردد بین الخصیین من الاحکام' ص ۱۴۔ (مطبعۃ الحلبی مصر - الطبعۃ الثانیہ) مواهب الجلیل ج ۶ ص ۸۷۔ المجموع شرح المہذب - ج ۱۹ ص ۱۱۴ - المغنی ج ۹ ص ۳۹۔ المحلی - ج ۱۰' ص ۵۰۹۔

۱۵۔ حدیث کی روایت کے لیئے دیکھئے - ابو داود کتاب الحدود حدیث ۴۳۹۸ الترمذی' کتاب الحدود حدیث ۱۴۲۳ - امام ترمذی حدیث کی روایت کے بعد فرماتے ہیں۔ حدیث حسن غریب۔

۱۶۔ دیکھئے - الامام احمد بن حنبل الشیبانی: مسند الامام احمد - ج ۴' ص - ۳۳۶ و ۳۵۵ و ۴۴۸ - (المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر' بیروت' الطبعۃ الثانیۃ)۔

۱۷۔ حاشیہ الشبلی علی تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۵۔

۱۸۔ ان کا اسم گرامی علی بن محمد بن حبیب ابوالحسن الماوردی تھا۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہ تھے۔ شافعی

مذہب کے ائمہ میں سے تھے اور آپ کا شمار صدر اسلام کے مشہور قضاۃ میں ہوتا ہے۔ آپکی تصانیف میں "الحاوی" و "اُدب القاضی" و "الاحکام السلطانیۃ" و "سیاسۃ الملک" بہت مشہور ہیں ۔ وفات ۴۵۰ھ میں پائی ۔ دیکھیئے ۔ طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۱۱۰ شذرات الذھب ۲۸۵/۳ ۔ ۲۸۶ ۔

۱۹۔ الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۔ ۶۵۔

۲۰۔ بدائع الصنائع ۳/۷، تبصرۃ الحکام ۲۳/۱، ادب القاضی للماوردی ۶۲۰/۱

۲۱۔ ادب القاضی للماوردی ۶۲۰/۱ ۔ ۶۲۱،

۲۲۔ معین الحکام ص ۱۴، مواھب الجلیل ۸۷/۶، اُدب القاضی للماوردی ۶۲۹/۱ المغنی لابن قدامہ ۳۹/۹۔

۲۳۔ مدبر غلام کی وہ قسم ہے جس سے اس کے مالک نے یہ معاہدہ کر رکھا ہو کہ اس کی وفات کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔

۲۴۔ مکاتب غلام کی وہ قسم ہے جس میں ایک غلام کے مالک نے اس کی آزادی کے لیئے کوئی مخصوص رقم یا کوئی خاص خدمت سرانجام دینے کی شرط رکھی ہو۔

۲۵۔ ادب القاضی للماوردی ۶۲۹/۱

۲۶۔ تبصرۃ الحکام ۲۴/۱

۲۷۔ آپ کا پورا نام شریح بن الحارث الکندی تھا اور آپ ابتدائے اسلام کے مشہور ترین قضاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ عثمان و علی رضوان اللہ کے عہود خلافت اور بنو امیہ کی ملوکیت کے ابتدائی دور حکمرانی کے دوران آپ کوفہ کے قاضی رہے اور ۷۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

دیکھیئے: طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۵۹ و ۶۰ ۔ تہذیب التہذیب ج ۴، صفحات ۳۲۶ ۔ ۳۲۸

۲۸۔ آپ کا نام محمد بن سیرین الانصاری تھا۔ تابعین میں سے تھے ۔ انتہائی بلند پایہ عالم، فقیہہ اور عابد و زاہد تھے۔ آپ نے ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

دیکھیئے: طبقات الفقہاء للشیرازی ص۔۶۹، ۷۰۔ تہذیب التہذیب ج۔۹ ص۔ ۲۱۴ ۔ ۲۱۷۔

۲۹۔ آپ کا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم الأندلسی اور کنیت ابو محمد تھی، بلند پایہ محدث، فقیہہ، اصولی اور ائمہ اسلام میں سے تھے۔ آپ کو قدرت نے تحریر و تقریر کی بے پناہ صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ آپ شریعت میں قیاس کو حجت نہیں مانتے تھے اور قرآن و سنت کے ظاہری احکام کی توجیہہ و تعلیل کے قائل نہیں تھے۔ اس لیئے ظاہری مذہب کے أئمہ میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف میں "المحلی" و "الاحکام لاصول الاحکام" و "الناسخ والمنسوخ" مشہور ہیں۔ آپ نے ۴۵۶ھ میں اندلس میں وفات پائی۔

دیکھئے ۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۹۱۔ ۹۲' النجوم الزاہرۃ ۷۵/۵

۳۰۔ فتح الباری ج ۵' ص ۲۶۸ ۔ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی۔ المقنع فی فقہ امام السنہ احمد بن حنبل الشیبانی (المطبعۃ السلفیہ) الطبعۃ الثالثۃ) ج ۳ ص ۶۹۶ ۔ المحلی ج ۱۰' ص ۶۴۲۔

۳۱۔ سورۃ النساء آیت ۵۸'

۳۲۔ آپ کا اسم گرامی عقبہ بن الحارث بن عامرالقرشی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے۔ فتح مکہ کے دوران اسلام میں داخل ہوئے اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے دور میں وفات پائی۔

دیکھئے ۔ الاستیعاب ترجمہ ۱۸۲۲' الاصابہ ترجمہ ۵۵۹۴' تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۸ ' ۲۳۹۔

۳۳۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الشہادات میں روایت کیا ہے ۔ دیکھئے۔ حدیث ۲۶۵۹ و ۵۱۰۴۔

۳۴۔ آپ کا اسم گرامی سالم تھا اور ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس کے غلام تھے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ سے حضرت عمر فاروق ؓ کی معیت میں مدینہ کے لیئے ہجرت فرمائی اور چونکہ آپ قرآن پاک کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ اسلیئے سفر کے دوران آپ ہی امامت فرماتے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں زخمی ہونے کے بعد جب چھ افراد کی کمیٹی خلیفہ کے انتخاب کے لیئے ترتیب دی تو فرمایا تھا کہ اگر سالم زندہ ہوتے تو میں یہ کمیٹی ترتیب نہ دیتا۔ (یعنی انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا)۔

دیکھئے۔ الاستیعاب ۔ ترجمہ ۸۸۱ ۔ الاصابہ ۔ ترجمہ ۳۰۵۲۔

۳۵۔ آپ کا نام عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی اور کنیت ابو سلمہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضائی بھائی اور اسلام میں سابقین اولین میں سے تھے۔ آپ نے ۳ ھ میں وفات پائی ۔ دیکھئے ۔ الاستیعاب ترجمہ ۱۵۸۹ ' الاصابہ ۵۵۹۔ تہذیب التہذیب ۲۸۷/۵۔

۳۶۔ آپ کا اسم گرامی زید بن ثابت الانصاری تھا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ کتاب وحی میں سے تھے اور آپ ہی کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ایام خلافت میں قرآن کریم کے جمع کرنے کا بھی شرف حاصل ہے۔

دیکھئے الاستیعاب ترجمہ ۸۴۰ الاصابہ ۲۸۸۰' تہذیب التہذیب ۳۹۹/۳۔

۳۷۔ آپ کا نام عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک العزی اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ صحابی تھے اور حضرت عمر

و عثمان رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت میں آپ کو بعض اہم مناصب بھی سونپے گئے آپ نے ۳۳ ھ میں وفات پائی۔

دیکھئے الاستیعاب ترجمہ ۱۳۲۷، الاصابہ ۴۳۳۷، تہذیب التہذیب ۴/ ۶۲۔۶۳۔

۳۸۔ روایت کے لیئے دیکھئے۔ البخاری، کتاب الاحکام حدیث ۷۱۷۵۔

۳۹۔ بدائع الصنائع ۷/ ۳ ۔ تبصرۃ الحکام ۱/ ۲۳۔۲۴ مواہب الجلیل ۶/ ۸۷

۴۰۔ سورۃ النساء آیت ۳۴۔

۴۱۔ آپ کا نام نصیع بن الحارث بن کلدہ الثقفی اور کنیت ابو بکرہ تھی۔ صحابی تھے۔ طائف میں اسلام قبول کیا اور صاحب علم و فضل تھے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف گواہی دینے والوں میں شامل تھے۔ آپ کی وفات ۵۱ھ میں بصرہ میں ہوئی۔

دیکھیے۔ الاستیعاب، ترجمہ ۲۸۷۷۔ الاصابہ، ترجمہ ۸۷۹۳۔ تھذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۴۶۹۔

۴۲۔ حدیث کی روایت کیلئے دیکھئے۔ البخاری کتاب الفتن حدیث ۷۰۹۹، الترمذی کتاب الفتن حدیث ۲۶۲۶، النسائی کتاب آداب القضاء ۸/ ۲۲۷ المسند لامام احمد ۵/ ۳۸ و ۴۷ السنن الکبری للبیہقی ۱۰/ ۱۱۸۔

۴۳۔ دیکھئے ۔ الترمذی کتاب الأحکام حدیث ۱۳۲۲۔ ابو داود کتاب الاقضیہ حدیث ۳۵۷۳، ابن ماجہ، کتاب الاحکام حدیث ۲۳۱۵، المستدرک للحاکم، ج ۴ ص ۹۰ ۔ حاکم اسے صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔

۴۴۔ المغنی ۹/ ۳۹۔ ۴۰۔

۴۵۔ تبصرۃ الحکام ۱۲/ ۲۴ المغنی ۹/ ۴۰۔

۴۶۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۔ تبیین الحقائق ج ۴، ص ۱۸۷۔ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الھمام ۔ فتح القدیر فی شرح الھدایۃ، ج ۵ ص ۴۵۴ (المطبعۃ الامیریۃ، بمصر ۔ الطبعۃ الاولی)

۴۷۔ ان کا اسم گرامی محمد بن جریر الطبری اور کنیت ابو جعفر تھی۔ بہت بلند پایہ عالم تھے۔ آپ مجتہد مطلق اور کسی مذہب کے مقلد نہیں تھے بلکہ ایک زمانے تک آپ کے مذہب کو پذیرائی حاصل رہی اور بہت سے لوگ آپ کے مذہب کی تقلید کرتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں "جامع البیان" فی تفسیر القرآن" و "اخبار الرسل و الملوک" و "اختلاف الفقہاء" مشہور ہیں۔ وفات ۳۱۰ھ میں

پائی۔ دیکھئے۔ طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۷۶، طبقات المفسرین للداودی ج ۲ ص: ۱۰۶۔ ۱۱۴۔

۴۸۔ دیکھئے۔ فتح الباری ۱۳/ ۱۴۷، سبل الاسلام ۴/ ۱۲۳، نیل الاوطار ۸/ ۲۹۸، المحلی۔

۴۹۔ سورۃ النساء آیت ۵۸۔

۵۰۔ ان کا نام الشفاء بنت عبدالشمس بن عبدویہ اور کنیت ام سلیمان تھی۔ صحابیہ تھیں۔ ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر فاروق سے روایت ہے کہ آپ ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ آپ نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔

دیکھئے۔ الاصابہ: ترجمہ ۶۱۹، تہذیب التہذیب ۱۲/ ۴۲۸۔

۵۱۔ آپ کا نام محمد بن عبداللہ الاشبیلی تھا۔ اور ابوبکر بن العزبی سے مشہور ہوئے۔ آپ بہت بلند پایہ عالم، مفسر محدث فقیہہ، اصولی اور مورخ تھے۔ آپ کا شمار مالکی مذہب کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ کافی عرصہ تک اشبیلہ کے قاضی رہے۔ آپ کی تصانیف میں "احکام القرآن" و "العواصم والقواصم" و "الانصاف فی مسائل الخلاف" اور "الناسخ والمنسوخ" مشہور ہیں۔ وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی۔ دیکھئے۔ الدیباج المذہب ۲/ ۲۵۲۔ ۲۵۶، شجرۃ النور الزکیہ، صفحہ ۱۳۶۔

۵۲۔ احکام القرآن ۳/ ۱۴۴۵

۵۳۔ المغنی ۹/ ۴۰

۵۴۔ ادب القاضی للماوردی ۱/ ۶۲۸۔

۵۵۔ سورہ النساء آیت نمبر ۳۴

۵۶۔ اس حدیث کی روایت کے لیئے دیکھئے۔ بخاری، کتاب الحیض، حدیث ۳۰۴ و ۱۴۶۲۔ مسلم، کتاب الایمان حدیث ۱۳۲۰۔ ابو داود، کتاب السنۃ، حدیث ۴۶۷۹، ترمذی، کتاب الایمان حدیث ۲۶۱۳۔ ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث ۴۰۰۳ المسند لامام احمد۔ ۲/ ۶۷

۵۷۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۸۲۔

۵۸۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العزبی۔ احکام القرآن ج ۱، ص ۴۱۶ (المطبعۃ عیسی الحلبی بمصر۔ الطبعۃ الثانیۃ)

۵۹۔ ادب القاضی للماوردی۔ ۱/ ۶۳۴

۶۰۔ تبصرۃ الحکام ۱/ ۲۳۔ ۲۴۔ ادب القاضی للماوردی ۱/ ۶۳۴، المغنی ۹/ ۳۹، الانصاف ۱۱/ ۱۵۸۔

۶۱۔ سورۃ الحجرات آیت ۔ ۶۔

۶۲۔ سورۃ ہود آیت ۔ ۱۳۔

۶۳۔ حدیث کی روایت کے لیئے دیکھئے ۔ ابو داود کتاب البیوع حدیث ۳۵۳۵، الترمذی، کتاب البیوع حدیث ۱۲۶۴، وہ اسے "حدیث حسن غریب" کا درجہ دیتے ہیں۔ المسند لامام احمد ج ۳ ص ۴۱۴۔

۶۴۔ ادب القاضی ج ا ص ۶۳۵۔

۶۵۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳، معین الحکام ص ۱۴، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۴،

۶۶۔ ان کا نام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی تھا اور ابن عابدین کے لقب سے مشہور ہوئے ائمہ احناف میں سے تھے ۔ آپ کی تصانیف میں "رد المحتار علی الدرالمختار" (حاشیہ ابن عابدین) و "الرحیق المختوم" اور "مجموعہ رسائل" بہت مشہور ہیں ۔ آپ نے ۱۲۵۲ء میں وفات پائی۔ دیکھئے ۔ الفتح المبین ج ۳ ص ۱۴۷۔۱۴۸، اعیان القرن الثالث عشر، ص ۔ ۳۶۔ ۳۹۔

۶۷۔ حاشیہ ابن عابدین ۳۵۶/۵

۶۸۔ بدائع الصنائع ۳/۷، تبیین الحقائق ۲۱۸/۴

۶۹۔ سورۃ النور ۔ آیت ۵ ۔ ۴

۷۰۔ ان کا نام مغیرہ بن شعبہ الثقفی تھا۔ مشہور صحابی تھے اور کچھ عرصہ بصرہ اور کوفہ کے گورنر بھی رہے ۔ آپ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے ۔ الاستیعاب ۔ ترجمہ ۲۴۸۳ ۔ الاصابہ، ترجمہ ۸۱۷۹۔ تہذیب التہذیب ۔ ۲۶۲/۱۰ ۔ ۲۶۳۔

۷۱۔ ان کا اسم گرامی شبل بن معبد البجلی تھا ۔ ابوبکرہ کے ماں جائے بھائی تھے ۔ مغیرہ بن شعبہ پر قذف کے الزام میں جن لوگوں پر حد جاری ہوئی تھی ان میں آپ بھی شامل تھے۔

دیکھئے۔ اسد الغابہ، ترجمہ ۲۳۷۸ ۔ الاصابہ ترجمہ ۳۹۵۷۔

۷۲۔ آپ کا نام نافع بن الحارث الثقفی تھا ۔ ابوبکرۃ کے ماں جائے بھائی تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ پر قذف کے الزام میں آپ پر بھی حد جاری کی تھی ۔ دیکھئے ۔ الاستیعاب ۷ ترجمہ ۳۵۸۶، الاصابہ، ترجمہ ۸۶۵۲۔

۷۳۔ ان کا نام عبداللہ بن ذکوان القرشی تھا اور ابو الزناد کے لقب سے مشہور تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ مدینہ میں کبار تابعین کے بعد ان سے زیادہ عالم شخص اور کوئی نہیں تھا۔ آپ کی

وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

دیکھئے۔ طبقات المفسرین ص ۔ ۳۸، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۳۔۲۰۵۔

۷۴۔ ان کا نام سفیان بن سعید الثوری تھا۔ بہت بلند مرتبہ عالم اور ائمہ اسلام میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف میں "الجامع الکبیر" و "الجامع الصغیر" و "الفرائض" مشہور ہیں۔ آپ کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔

دیکھئے۔ طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۳۸، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۱۔۱۱۵۔

۷۵۔ اس قول کو امام بخاری نے کتاب الشہادات میں بطور تعلیق بیان کیا ہے : دیکھئے: فتح الباری ج ۵ ص ۲۵۴۔

۷۶۔ سورۃ الطلاق۔ آیت ۲۔

۷۷۔ لغت میں اجتہاد کا لفظ جہد سے ہے جس کے معنی طاقت کے ہیں (تاج العروس ج ۲ ص ۳۲۹) اور فقہاء کے نزدیک اس کے اصطلاحی معنی شریعت کے احکام تک رسائی حاصل کرنے کے لیئے اپنی پوری طاقت صرف کر دینے کے ہیں۔ دیکھئے۔ البدخشی ج ۳ ص ۱۹۱۔

۷۸۔ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ الرملی: نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج (مصطفیٰ الحلبی القاہرہ۔ الطبعۃ الاخیرۃ) ج ۱ ص ۲۳۸۔ ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۲۳۶۔ المغنی المحتاج ۴، ص ۳۷۵۔

۷۹۔ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی : شرح منتہی الا ادات (المطبعۃ العامرۃ الطبعۃ الاولی) ج ۴ ص ۲۶۳۔

۸۰۔ سورۃ النساء۔ آیت ۵۹۔

۸۱۔ حدیث کی تخریج گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

۸۲۔ ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۶۳۹۔

۸۳۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶۔

۸۴۔ تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۲۴۔ ۲۵، محمد بن احمد الدسوقی : حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج ۴ ص ۱۱۵ (دار الفکر، بیروت۔ لبنان)۔

۸۵۔ ان کا نام ابو بکر بن مسعود علاوالدین الکاسانی اور لقب "ملک العلماء" تھا۔ ائمہ احناف میں سے تھے۔ ان کی تصانیف میں "بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" مشہور تصنیف ہے۔ ان کی وفات ۵۸۷ھ میں ہوئی۔ دیکھئے۔ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیہ، ص ۵۳۔

۸۶۔ بدائع الصنائع ۷/۳

۸۷۔ تبصرہ الحکام ۱/۲۴۔۲۵۔

۸۸۔ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی: کشاف القناع عن متن الاقناع ' (مکتبہ المصر الحدیثة۔ الریاض) ج ۴ ص ۳۷۳۔۱۱۔

۸۹۔ ادب القضاء للحموی ص ۳۳

۹۰۔ تبصرہ الحکام ۱/۲۵۔

۹۱۔ بدائع الصنائع ۷/۳' حاشیہ ابن عابدین ۳۵۹/۵' ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۶۲۳ ۔ ادب القضاء للحموی ص ۲۱' نہایة المحتاج ج ۸ ص ۲۳۸' المغنی ج ۹ ص ۴۰۔

۹۲۔ ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۶۲۳۔

۹۳۔ حاشیة الدسوقی ۔ ج ۴ ص ۱۱۶ ۔ محمد بن احمد بن محمد رشید القرطبی: بدایة المجتهد و نہایة المقتصد' ج ۲ ص ۴۶۰ (مطبع مصطفیٰ الحلبی بمصر ۔ الطبعة الثانیہ)۔

۹۴۔ بدائع الصنائع ۷/۳ ۔ ادب القاضی للماوردی ' ج ۱' ص ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ المقدسی ج۹ ص ۴۰ ' الانصاف ج ۱۱ ص ۱۷۷۔

۹۵۔ المحلی ۔ ج ۱۰ ص ۶۳۷۔

۹۶۔ تبصرة الحکام ج ۱ ص ۲۴۔ ۲۵۔

۹۷۔ بدائع الصنائع ۷/۳ ' أدب القاضی للماوردی ' ج ۱ ص ۶۲۴۔ المغنی المحتاج ۔ ج ۴ ' ص ۳۷۵۔

۹۸۔ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی : المہذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی ' ج ۴ ص ۳۹۰۔ أدب القاضی للماوردی ' ج ۱' ص ۶۲۴ ' مغنی المحتاج ' ج ۴ ' ص ۳۷۵۔